شیخ علی طنطاویؒ

حافظ محمد ادریس

عالم اسلام کے مایہ ناز سپوت، ادیب، فقیہہ، محقق، مصنف اور عالم دین شیخ علی طنطاوی ۴ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۹۹ بروز ہفتہ، جدہ میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعون!

شیخ علی طنطاویؒ کا تعلق شام سے تھا۔ وہ ۱۲ جون ۱۹۰۸ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ محمد طنطاویؒ ایک علمی شخصیت تھے، اور ان کے ماموں شیخ محب الدین الخطیبؒ تو عالمی شہرت کے حامل مصنف اور ادیب تھے۔ شیخ طنطاویؒ نے ابتدائی تعلیم کے بعد ادب، لٹریچر اور قانون کے مضامین میں ڈگریاں حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم جامعہ دمشق میں ۱۹۳۵ میں مکمل کی۔ بعدازاں ۱۹۳۶ میں کچھ عرصے کے لیے ایک مدرسے میں بطور استاد کام کیا مگر جلد ہی مزید حصول علم کے لیے انھوں نے مصر، لبنان اور عراق کا رخ کیا۔ دارالعلوم مصر میں وہ سید قطب شہیدؒ کے ہم جماعت اور دوست رہے۔ واپس دمشق آ کر شیخ علی طنطاویؒ محکمہ قضا میں خدمات سرانجام دینے لگے۔ وہ دمشق کے معروف ججوں میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۹۶۳ تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔

اس عرصے میں شیخ نے شام کے سیاسی امور اور معاملات میں بھی دلچسپی لی۔ وہ اپنے دور شباب میں تمام استعمار دشمن احتجاجی تحریکوں کے روح رواں رہے۔ شیخ علی طنطاویؒ شعلہ نوا مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے منتظم بھی تھے۔ مشکل وقت میں ان کے ساتھی ہدایت اور رہنمائی کے لیے انھی کی طرف رجوع کرتے اور وہ مشکل عقدوں کو چٹکیوں میں حل کر دیتے۔ پُرجوش خطابات کے ذریعے لوگوں کے جذبات کو ابھارنے اور حکمت اور تدبر کے ذریعے انھیں ایک خاص سمت میں لے چلنے کا خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو عطا فرمایا تھا۔

شیخ طنطاویؒ نے ۱۹۴۷ میں شامی پارلیمنٹ کا انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے حلقے میں بہت مقبول تھے اور انھیں شکست دینا آسان نہ تھا مگر تمام بااثر طبقات ان کے خلاف متحد ہو گئے اور ان کے بعض قریبی ساتھی بھی ان کا ساتھ چھوڑ کر ان کے مخالف امیدوار سے جا ملے۔ شیخ طنطاویؒ نے ان تلخ یادوں کو اس

مزاحیہ انداز میں بیان کیا ہے کہ اس سے قاری لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور اس واقعے پر اظہار افسوس بھی کرتا ہے۔ مخالف امیدوار کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اس لیے وہ جیت گیا مگر دمشق میں ہر شخص کی زبان پر تھا کہ شیخ ہارے نہیں، ہروائے گئے ہیں۔

شیخ علی طنطاویؒ اخوان المسلمون کی تحریک سے متاثر تھے اور ان کی کھل کر حمایت کیا کرتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار بعض معاملات میں اپنے تحفظات کا بھی اظہار کرتے تھے۔ مگر وہ اختلافی بات کو بھی اتنے خوب صورت انداز میں پیش کرتے کہ نہ تو کبھی کوئی خفا ہوا اور نہ کسی کے جذبات مجروح ہوئے۔

شیخ طنطاویؒ جس طرح غیر ملکی استعمار کے خلاف جدوجہد کرتے رہے، اسی طرح انھوں نے شام میں قائم ملکی آمریت کے خلاف بھی جہاد جاری رکھا۔ اس کے نتیجے میں وہ حکومت کی نظروں میں کھٹکنے لگے اور ظالم حکمران ان کے قتل کی سازش کرنے لگے۔ شیخ کے لیے جب اپنے وطن کی سرزمین تنگ ہو گئی تو انھوں نے بادل نخواستہ ۱۹۶۳ میں سعودی عرب کی جانب ہجرت کی اور اپنی باقی ماندہ زندگی جلاوطنی ہی میں گزار دی۔ مگر اس سارے عرصے میں وہ بڑی محبت سے اپنے آبا و اجداد کی سرزمین کو یاد کرتے رہے۔ ان کی تحریروں میں بچپن کی یادوں اور دمشق کے حسین ماحول کا تذکرہ جس حسرت آمیز انداز میں ملتا ہے، اسے پڑھتے ہوئے، شیخ کے دکھ، درد اور احساس محرومی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

شیخ طنطاویؒ کو اللہ تعالیٰ نے وسیع علم کے ساتھ خطابت کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا۔ وہ ایک عمدہ ادیب بھی تھے۔ سنجیدہ دینی تحریروں کے ساتھ انھوں نے ڈرامے، کہانیاں، افسانے اور ناولٹ بھی لکھے ہیں۔ ان کے ہاں ایک پر تاثیر فکر انگیزی کے ساتھ طنز و مزاح کا ایسا شگفتہ انداز بھی ملتا ہے کہ قاری مسکراتا اور بعض اوقات قہقہہ لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شیخ کی یادداشتیں خاصے کی چیز ہیں۔ اسی طرح ان کی کتاب من نفحات الحرم بھی بہت موثر تحریر ہے۔ اس میں بعض جگہوں پر شیخ، جب اللہ کے سامنے اپنے عجز و انکسار کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس رقت آمیز کیفیت میں قاری بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر اشکوں سے وضو کرنے لگتا ہے۔

شیخ طنطاویؒ جب سعودی عرب آئے تو اس وقت تک عرب دنیا میں ان کا نام معروف ہو چکا تھا۔ دمشق ریڈیو سے اسلامی، تاریخی اور ادبی موضوعات پر ان کے نشریے پوری عرب دنیا میں بڑے شوق سے سنے جاتے تھے۔ سعودی عرب کے زمانہ قیام میں، ریاض اور مکہ میں، درس و تدریس کے ساتھ انھوں نے مسلسل ۲۵، ۳۰ سال تک ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پروگرام پیش کیے جن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی کوئی پروگرام نشر نہ ہو پاتا تو سعودی عرب اور اس کے باہر ان کے سامعین احتجاج کرتے۔ "مسائل و مشکلات" نامی روزانہ پروگرام میں وہ انسانیت کو درپیش پریشانیوں اور پیچیدگیوں پر رہنمائی دیتے تھے۔ ہفتہ وار پروگرام "نور و ہدایہ" بھی دلچسپ ہوتا۔ ماہ رمضان میں "علی مائدة الافطار" کو لوگ پوری فیملی کے

ساتھ اجتماعی طور پر دیکھتے اور سنتے تھے۔ آخری زمانے میں شیخ اپنی بیماری کی وجہ سے نئے پروگرام پیش کرنے سے قاصر ہو گئے تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ان کے پرانے پروگرام ہی بار بار نشر کیے جاتے رہے۔ شاید یہ سلسلہ اب بھی جاری ہو۔

شیخ طنطاویؒ اولاد نرینہ سے محروم رہے مگر ان کی قابل، ہونہار، نیک طینت بیٹیاں تعلیم یافتہ اور اسلامی اخلاق و اقدار کی علم بردار ہیں۔ ایک بیٹی نے تو خصوصاً دعوت و تبلیغ کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ یہ تھیں، محترمہ بنان طنطاویؒ جو مشہور شامی اخوانی رہنما جناب شیخ عصام العطار کی بیوی تھیں۔ یہ میاں بیوی بچوں سمیت شام سے جلاوطن ہو کر کئی سال سے جرمنی میں مقیم تھے اور دعوت و تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔ شامی حکومت کے ایجنٹوں نے ۱۷ مارچ ۱۹۸۱ کو محترمہ بنان کو ان کے گھر میں نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔ ان کا اصل نشانہ عصام تھے مگر اس روز وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ شیخ طنطاویؒ کو اپنی اس بیٹی سے بے پناہ محبت تھی اور وہ اس کی مظلومانہ شہادت کا اس موثر انداز میں تذکرہ کرتے ہیں کہ اسے پڑھتے ہوئے قاری غم میں ڈوب جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

آج عالم اسلام میں شیخ علی طنطاویؒ کے روحانی فرزندوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ان کی وفات پر عربی پریس میں اس قدر مضامین آرہے ہیں اور ایسی عقیدت کا مظہر ہیں کہ خوش گوار حیرت ہوتی ہے۔

شیخ علی طنطاویؒ کو سعودی عرب میں اگرچہ بڑی شہرت حاصل ہوئی، اس کے باوجود ان کو ہمیشہ یہ احساس رہا کہ وہ اپنے ملک سے جلاوطن ہیں اور ایک دوسرے برادر اسلامی ملک میں پناہ گزیں ہیں۔ شیخ کو ان کی اسلامی، دینی اور علمی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۰ میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ بھی دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، درجات کو بلند کرے، لغزشوں کو معاف کرے اور اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے۔ (آمین)

ترجمان القرآن کے اشارات کے انگریزی ترجمے جنوری ۱۹۹۸ تا جولائی ۱۹۹۹ کے لیے دیکھیے

www.jamaat.org

(ادارہ)